مولوی' معاشرہ اور جدید فضلاء کی ذمہ داری

مولانا محمد طفیل کوہاٹی

مدرسہ دورجدید کی دجالی تہذیب کے مقابلے میں''حق'' کا بہت بڑا مورچہ ہے'مدرسہ کی آبادی وشادابی تہذیب جدید کے نمائندوں کی آنکھ کا کانٹا ہے اوران کے مالی وسائل کاایک بڑاحصہ مدرسہ کے کردارکوغیرمؤثرکرنے کی کوششوں پرخرچ ہورہاہے۔کئی این جی اوزاس حوالے سے سرگرم ہیں'ان کے ارباب کوکبھی ایک دن بھی مدرسہ میں گزارنے کااتفاق نہیں ہوا'لیکن وہ لاکھوں خرچ کرکے مدارس کی اصلاح کے لیے سیمینارزمنعقدکررہے ہیں اورجدیدفاضل کو''حسی تمدن''اور''دجالی تہذیب'' سے ہم آہنگی کادرس دے رہے ہیں'تاہم یہ بات واضح ہے کہ اگرمدارس میں خوداحتسابی کاعنصرباقی ہواوراپنی کمزوریوں کے ادراک اورتدارک میں تساہل نہ برتاجائے تواس کے تشخص اورنظریہ کودنیا کی کوئی طاقت بہ زورختم نہیں کرسکتی اوراس کی آئندہ نسلیں پہلوں سے بڑھ کرمیدان سنبھالنے کی اہل ہوں گی۔

جدیدفاضل ہماری محنتوں کاثمرہ اورنیک توقعات کامحورہے۔عصرجدید کی پیچیدہ ترین علمی وعملی تحدیات میں امت کی رہنمائی کافریضہ اسی نے انجام دیناہے'لہذا ضروری ہے کہ اس کی ذہنی وعملی استعدادیں اس درجہ قوی ہوں کہ وہ ان تحدیات کی مقاومت اوران سے بخوبی عہدہ براہونے کافرض نبھاسکے۔اس حوالے سے اپنے جدیدفضلاء کی خدمت میں چندگزارشات پیش کرنی ہیں۔امید ہے کہ معاشرہ میں ایجابی کام کے حوالے سے ان کی اہمیت محسوس کی جائے گی۔

۱:......ہم جس ماحول میں جی رہے ہیں یہ اپنی روح کے اعتبار سے اسلامی نہیں'اسلامی اقدار: دیانت'امانت'فرض شناسی'حیا'عدل وانصاف اورایثارومروت وغیرہ کی معاشرتی وریاستی سطح پرپامالی مشاہدہے۔اس کی بنیادی وجہ عالمی طاقتوں کاجبراًمسلط کردہ دجالی نظام ہے جس کی بنامادیت

پرستی، نتائجیت پرستی، عقلیت پرستی اور جمہوریت پر قائم ہے۔ یہ اقدار اپنی ماہیت میں اسلامی اقدار سے بالکلیہ متصادم ہیں۔ فحاشی وعریانی کے چہارسو پھیلے مظاہر، شہوانی جذبات کی برانگیختگی کا سبب ہیں۔ ملاوٹ، دھوکہ دہی، کام چوری، حرام خوری، جھوٹ، حرص اور مادی ترقی کے لیے حلال وحرام کی تمیز کا خاتمہ اب کلچر کا حصہ بنتا جارہا ہے۔ ان منفی اقدار کے اثرات سے حفاظت ایک مشکل اور کٹھن کام ہے۔ بڑے بڑے عبادت گزار اور دین دار کہلانے والے دانستہ یا نادانستہ ان کی زد میں ہیں۔

موجودہ مادی ثقافت سے ہم آہنگی تبھی ممکن ہے جب یہ منفی اقدار طبع پر پوری طرح حاوی اور مزاج کا حصہ ہوں۔ ان کے مقابل اگر روحانی اقدار کو غلبہ دیا جائے تو عصر جدید کے مادی وحسی تمدن سے مقابلہ کے لیے عمل کی وہ قوت حاصل کی جاسکتی ہے جو مدرسہ سے حاصل شدہ علم کے عین مطابق ہوگی، لیکن اس ماحول میں فاضل کے لیے اپنے علم (قرآن وحدیث) اور عمل کے اندر کامل مطابقت پیدا کرنا ایک بڑا چیلنج ضرور ہے۔ ہمارا فاضل اس مقاومت میں احساس کمتری کے باعث فکری ونظریاتی شکست اور تہذیب جدید سے ہم آہنگی کے میلانات کا شکار ہوجاتا ہے۔ اپنے آپ کو مادیت کی ہمہ جہتی، چکاچوند اور حسی تمدن کے اثرات سے محفوظ رکھنا اس کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ وہ فقر بوذرؓ اور خوئے حیدریؓ کا علم رکھنے کے باوجود اسے عملاً برتنے میں ناکام رہتا ہے۔ اسے بھی مادی آسائشوں سے مستفید ہونے اور اپنی دینی خدمات کی انجام دہی کے لیے مادی طرق اور حسی نمائشوں کو اپنانے میں دل چسپی پیدا ہوجاتی ہے۔ حالانکہ انبیاء کرامؑ، صحابہؓ اور مجددین کی پوری تاریخ اس کی گواہ ہے کہ انہوں نے اپنے ادوار کے مادی اور حسی تمدن سے بغاوت کی ہے اور اسے اپنے مقاصد کے لیے سب سے بڑی آڑ سمجھا ہے۔ انبیاء علیہ السلام اور مجددین کے مقابل طبقات ہمیشہ سے مادی وحسی تمدن کے مظاہر سے مستفید ہونے کی بجائے اس کا خاتمہ اور اپنے متعلقین کو اس سے بچانے کی سعی کی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں جب فرعون غرق ہوا تو آپ نے ان کے محلات کی طرف دیکھا تک نہیں۔ صحابہ کرامؓ نے روم وفارس کے بڑے بڑے مراکز فتح کرنے کے باوجود اپنا تخت خلافت مساجد کی چٹائیوں پر سجائے رکھا اور ان کے محلات اور آسائشوں کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ آج دین کی تبلیغ کے لیے مسجد کے بجائے ہوٹلوں کے ہالوں، منبر کی جگہ سٹوڈیو کا انتخاب اور مدارس کی تعمیر اور جلسوں میں حسی تمدن کی نقالی مادیت کے اسی ہمہ گیر سیلاب سے تاثر کا نتیجہ ہے۔

ہمارے فاضل کو اس تمدن میں اپنا ایجابی کردار ادا کرنے اور تحزب وتشتت سے بالاتر ہوکر اس کی

تحدیات سے نبرد آزما ہونے کے لیے علم وعمل کی مطابقت کا جو معرکہ سر کرنا ہے اس کا واحد ذریعہ ''تزکیہ باطن'' ہے۔ سنت اللہ یہی ہے کہ اس کا حصول اہل اللہ کی صحبت کے بغیر مشکل ہے۔

انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے' اس کو دو جہان عطا کیے گئے ہیں: ایک جہان اصغر یعنی اس کی ذات اور ایک جہان اکبر یعنی خطہ ارضی۔ ان دونوں جہانوں پر طاغوت کے غلبہ کا استیصال اور احکام الٰہی کا نفاذ ہی فریضہ خلافت کا اولین تقاضا ہے۔ منصب خلافت کی انجام دہی کا کام جہان اصغر پر غلبہ کے سفر سے شروع ہوتا ہے۔ ذات انسانی کے اندر نفس وشیطان کی کارفرمائی اور ماحول کی معاونت سے رذائل اور شیطانی اقدار کا ایک پورا جہان آباد ہے۔ اس جہان کو ''جہاد اکبر'' سے فتح کر کے مغلوب کرنا' تکبر' حرص' حب جاہ ومال' خیانت اور شہوت وغضب جیسی باغی اور مہلک قوتوں کی پامالی اور روح' نفس' قلب اور عقل جیسے اساسی اداروں کو اللہ تعالیٰ کے قانون ودستور پر استوار کرنا قیام خلافت کا پہلا مرحلہ ہے' کیونکہ یہ باغی طاقتیں انسان کے اندر ''اقتداری نفسیات'' کی افزائش کرتی ہیں اور اسے آزاد اور بے لگام رکھنا چاہتی ہیں۔ اس نفسیات کے ہوتے ہوئے ''عبودیت'' کے تقاضے ہرگز پورے نہیں ہوسکتے اور عبودیت کا مزاج بنے بغیر احکام الٰہی کے امتثال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مغربی تہذیب کا حاصل یہی ہے کہ انسان ہر مقتدر اعلیٰ سے آزاد اور خود مختار اقتدار کا مالک ہو' اس کے اندر شیطانی اقتدار پوری قوت سے کارفرما ہو اور اس کی اقتداری نفسیات مضبوطی سے قائم ہوں۔ اسلام اسی نفسیات کے توڑنے کے لیے آیا ہے' کیونکہ ان نفسیات کے ہوتے ہوئے پانچ فٹ کے بدن پر احکام الٰہی کی تنفیذ ناممکن ہے' چہ جائیکہ عالم انسانی میں معروف کی ترویج اور منکر کے خاتمے کا کٹھن کام کیا جاسکے' لہٰذا معاشرہ میں دعوت اور اقامت دین کی محنت اور شیطانی تہذیب کی تحدیات کا مقابلہ اسی پر موقوف ہے کہ ''جہان اصغر'' کی بہیمی قوتوں کو مغلوب کر دیا جائے اور ان کا اقتدار چھین کر روحانی اقدار کے حوالے کر دیا جائے۔ جب اپنے اعضاء وجوارح پر احکام کے نفاذ کا مرحلہ سر ہو تو خارجی ماحول کی مقاومت آسان اور اس کی تحدیات سے عہدہ براہونا ممکن ہوجاتا ہے' لہٰذا جدید فاضل کی اولین ذمہ داری اپنی ذات پر ''خلافت صغریٰ'' کا قیام ہے۔ اس کے بغیر عہد جدید کے طوفانوں اور تباہ کن اثرات سے بچاؤ ایک خواب تو ہوسکتا ہے' حقیقت نہیں۔

اقامت دین کے لیے ہماری کاوشیں برنہ آنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ معاشرے میں اجتماعی نوعیت کے کاموں میں تن دہی ہمارا نصب العین بن جاتا ہے' جب کہ علم وعمل کی مطابقت کا معرکہ تشنہ

☆☆☆ ☆ ☆ گستاخ رسول کو سر کا خطاب قابل مذمت ہے☆☆☆☆

تکمیل رہتا ہے۔یوں ان کاوشوں سے ”خیر“ اور ”حق“ کا بھرپور پرچار نہیں ہو پاتا' بلکہ ان سے تخریب وتفرقہ کی افزونی ہوتی ہے اور ہم اس ”غرور“ کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں کہ خیر اور حق ہمارے ہی اندر دائر ہے۔

علم وعمل میں عدم مطابقت سے فاضل کی زندگی سینکڑوں مسائل ومشکلات کی آماجگاہ بن جاتی ہے۔ہروقت ذہنی دباؤ' مزاج میں عدم توازن' گفتگو میں بے احتیاطی' معمولی باتوں پر اشتعال' مداہنت وخوف کی نفسیات' احساس کمتری واحساس برتری کی کیفیات' عزیز واقارب اور اپنے متعلقین سے کشیدگی اور احساسات کی نزاکت جیسے مسائل کا اسے سامنا رہتا ہے اور یہ دشواریاں اس کی زندگی کا ظاہری وروحانی سکون چھین کر اسے تلخ بنا دیتی ہیں۔

۲:......فاضل کے پیش نظر یہ بات بھی رہنی چاہیے کہ مدارس سے حاصل شدہ معلومات اور استعداد پر قناعت اپنے ساتھ بڑا دھوکہ ہے۔ہمارا نصاب ”عالم“ نہیں بناتا' بلکہ علم کی ”راہ“ کھولتا ہے۔اس کو پڑھ کر اپنے تئیں عالم باور کرانا ”جہل“ ہے۔نصاب میں جن علوم وفنون کو پڑھا ہے ان کے مزید مطالعہ کا معمول اور جن کے پڑھنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے' ان کا بلا تاخیر حصول اولین اہداف میں سے ہونا چاہیے۔ایک فاضل کو قرآن وحدیث' فقہ واصول فقہ' بلاغت وادب' منطق وفلسفہ اور ضروری جدید فنون سے نہ صرف مناسبت ہونی چاہیے' بلکہ اپنی استعداد اس درجہ بڑھانی چاہیے کہ ان علوم وفنون پر جدید وقدیم ذخیرہ سے استفادہ ممکن بنا سکے۔عصری اسالیب بیان سے واقفیت حاصل کر سکے اور ان علوم وفنون پر اٹھنے والے جدید اشکالات ومباحث کی درست تفہیم اور حل پیش کر سکے۔

۳:......جدید فاضل کے لیے بہترین علمی صلاحیت کی افزائش کے ساتھ اپنے اندر ”داعیانہ نفسیات“ کی تشکیل بھی ازحد ضروری ہے۔داعی میں جس لگن' محنت' تڑپ اور فکر کا پایا جانا ضروری ہے' عموماً ہم اس سے محروم رہتے ہیں۔ہمارا مزاج یہ ہے کہ ہم اپنے مخاطب کو بہت جلد ”مخالف“ ڈیکلیئر کر کے مخاصمانہ روش پر اتر آتے ہیں' جب کہ داعی اسے ”مخاطب“ ہی سمجھتا ہے۔اس جوہری فرق کی وجہ سے ہم اپنے مخاطب کو زیادہ سے زیادہ قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے لیے ”دلیل“ کو سب سے بڑا ہتھیار تصور کرتے ہیں' جب کہ داعی مخاطب کو قائل کرنے کی بجائے ”مائل“ بلکہ ”گھائل“ کرنے کی فکر میں رہتا ہے اور اس کے لیے دلیل سے بڑھ کر عمل' محبت اور دعا کو کام میں لاتا ہے۔مغربی تہذیب نے نسل نو کی ذہنی ساخت وپرداخت جن واہی تباہی افکار پر تشکیل دی ہے' انہیں اس بھنور سے نجات

کے لیے داعیانہ سوز وساز کی ضرورت ہے۔اس کی استعداد کسی طبقے میں اس قوت سے پائی جانا ممکن نہیں، جتنی حاملان قرآن وحدیث سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے۔جدید فاضل کے لیے اس سلسلے میں مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی تصانیف سے اعتناء ضروری ہے۔

دعوت دین کے لیے جدید ذرائع خصوصاً الیکٹرانک میڈیا کا استعمال بھی آج کے جدید فضلاء پر بھوت کی طرح سوار ہے اوراسے مصالح اورضرورت کی خاطر گوارا کیا جارہاہے۔یادرکھیں! مصالح کی حددرجہ رعایت تساہل وبے باکی کوجنم دیتی ہے۔علماءؒ فرماتے ہیں کہ ''مصالح'' پینے کی چیزیں ہیں، ان کوپیس کرہی دین میں مزاآتاہے۔مصالح کے نام پرالیکٹرانک میڈیا کوگوارا کرنا بدترین تساہل ہے۔میڈیا اپنے اقدار کے اعتبار سے ایک خالص شیطانی آلہ ہے۔اس کی بالکلیہ تطہیر ناممکن ہے۔ایسے آلودہ آلات سے تبلیغ دین کامبارک مقصد ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔تاریخ گواہ ہے کہ مجددین کی دعوت کاثمرہ منصوص طرق دعوت کواختیار کرنے سے سامنے آیاہے۔جن فقراء کے ہاتھوں پرلاکھوں لوگ اسلام لائے ہیں اورکفریہ معاشروں کی کایاپلٹی ہے، وہ منصوص طرق سے سرمونہیں ہٹے۔

اس سے واضح ہوتاہے کہ دعوت دین کے کام میں ذرائع کی حیثیت ثانوی ہے، اصل داعی کا اخلاص، للّٰہیت، سوز وساز اورتڑپ ہے۔تبلیغ دین کاجوذریعہ اسلامی اقدار سے متصادم ہواس کی ہمہ گیریت کے باوجوداس سے ''خیر'' کاپھیلاؤ ممکن نہیں۔جدید فاضل کوانبیاء کرام علیہ السلام ومجددین کی تاریخ سامنے رکھ کردعوت دین کی حکمت عملی مستنبط کرنی چاہیے۔گوکہ اس کادائرہ محدود ہو، لیکن اس کے اثرات ضرور ہمہ گیرہوں گے۔

مشاہدہ یہی ہے کہ الیکٹرانک میڈیا پردینی تبلیغ نے علماء کے وقار کوکم اوراباحت پسندی کے رجحانات میں اضافہ کیاہے۔علماء کی ایک بڑی تعداد اس کے باعث مادی سیلاب سے دوچارہوئی ہے اورعلمی وعملی تساہل کے نتیجے میں حقائق کی جگہ محض چرب زبانی اورلفظوں کے کھیل نے لے لی ہے۔

۴:......اس وقت علمی وعملی فتنوں کی بہتات ہے، جدید فاضل کے سامنے آئے دن نئے افکاروخیالات آئیں گے۔ان فتنوں سے بچاؤ کاواحدراستہ جمہورسلف کے فہم دین پراعتماد ہے۔نِراعلم تعلّی اوردعوی کی جس نفسیات کوجنم دیتاہے، اس کواعتدال پرلائے بغیر بھٹکنے کاخطرہ اوراپنے فہم کوحرف آخر سمجھنے کاجذبہ زوروں پرہوتاہے۔عصرحاضر کے متجددین ایسے فضلاء کی تاک میں رہتے ہیں

جو تحقیق کے نام پر خودرائی کا شکار ہوسکیں اور سلف پر عدم اعتماد کی برملا جراءت کرسکیں۔حالانکہ جو لوگ علم وتحقیق کے نام پر جمہور سلف سے جداگانہ راہ اختیار کیے بیٹھے ہیں ان کی کوئی فکر نئی نہیں بلکہ یہ بھی تاریخ کے ان آوارہ فکر افراد یا طبقات کی آراء کی جگالی کررہے ہیں جنھیں امت کا اجتماعی ضمیر بہت پہلے رد کرچکا ہے بس !ان کے افکار کو نیا لبادہ پہنانے کی کاوش ضرور ان کی ہے۔

ایسے لوگوں کی مساعی کا حاصل یہی ہوتا ہے کہ مشاہیر کے تفردات سے اپنے من پسند نتائج کشید کریں یا ماضی کے گمراہ طبقات کے افکار پر معاشرہ کی اجتماعی دینی ضروریات کی بنیاد رکھ کر ایک آزاد فکر پیش کرنے کی کوشش کریں۔اسی سے انکار حدیث اجتہاد کے نام پر تحریف وتاویل انکار اجماع تقلید سے فرار اور اکابر پر عدم اعتماد کی فضاء ہموار ہوئی ہے۔

محض عمل کی غلطی سے تباہی نہیں آتی ہاں !جب عمل کی کوتاہی کو سہارا دینے کے لیے ''علم'' غلط ہوجائے تو تباہی کئی نسلوں تک متعدی ہوجاتی ہے۔یہ جدت پسند علم کی غلطی کا شکار ہوکر نسل نو کی بربادی کا سامان مہیا کررہے ہیں۔

دین کے طے شدہ مسائل کا خودرائی کی بنیاد پر ازسرنو جائزہ اور اس میں آزاد اور تساہل پسند افراد کی آراء کی اتباع عصر حاضر کا فیشن بن چکا ہے۔علم ودانش کے افلاس کا یہ عالم ہے کہ ایسے افراد کو ''محقق'' سمجھا جاتا ہے اور جس کی فکری آوارگی کا دائرہ جتنا وسیع ہو اسے اتنی ہی مقبولیت اور شہرت سے نوازا جاتا ہے۔

ان متجددین میں ایک بھی ایسا نہیں جس نے امت کو درپیش تحدیات کا کوئی معقول حل پیش کیا ہو اور سیاسیات معاشیات یا عمرانیات کے درپیش جدید مسائل پر کوئی کام کیا ہو۔ہاں !قدیم ذخیرے کو مشکوک بنانے طے شدہ مسائل واحکام میں تساہل وآزادی کی راہ کھولنے اور ان کی مغربی تہذیب کے آثار ومظاہر سے مطابقت پیدا کرنے کی کوشش ضروری کی گئی ہے۔

۵:......ہمارے فاضل کو یہ بھی مسئلہ درپیش رہتا ہے کہ اس نے دینی خدمات کا اپنا ایک دائرہ مقرر کیا ہوتا ہے اور اس کے علاوہ کسی اور دینی کام یا محنت کے لیے اس کی طبیعت آمادہ نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات دیگر کاموں سے استخفافی رویہ برتا جاتا ہے مثلاً: مدارس کے کثیر طلبہ ''تدریس'' ہی کو اصل کرنے کا کام سمجھتے ہیں اور اس مغالطہ کا شکار رہتے ہیں کہ اگر تدریس نہ ملی تو ان کی استعداد ضائع ہوگی اور یہ ''محرومی'' کی علامت ہوگی حالانکہ مطالعہ کی وسعت اور استعداد کی بقاء وحفاظت کا تعلق ذاتی ذوق

وشوق اور علمی ماحول کے قیام پر ہے۔ بہت سے مدرسین ایسے ہوتے ہیں جو سال ہا سال سے کسی کتاب کا درس دے رہے ہوتے ہیں، لیکن انہیں اس فن کے اضافی مباحث کی مطلق خبر نہیں ہوتی، وہ اپنے آپ کو ایک اردو شرح تک محدود رکھتے ہیں اور مدرسہ میں مطالعاتی ماحول نہ ہونے کے باعث درسیات کے خول سے باہر نہیں نکل پاتے۔

تدریس بہترین علمی خدمت ہے، تاہم اس کا دائرہ انتہائی محدود ہے، اس کی نسبت امامت اور مسجد کو اپنی دینی سرگرمیوں کا مرکز بنانا زیادہ مؤثر ثابت ہوا ہے۔ اسی طرح عامۃ الناس کے لیے مفید دینی تعلیمی پروگرام، درس قرآن وحدیث، خطابت اور دعوت وتبلیغ کی محنت بھی فاضل کے پیش نظر رہنی چاہیے، ان میں سے کل وقتی کوئی کام میسر نہ ہو تو حلال روزگار کی کوشش کے ساتھ جز وقتی سرگرمی اختیار کی جائے اور اسے غنیمت سمجھا جائے۔ اس کے ساتھ کسی ماہر استاذ کی نگرانی میں اپنے مطالعہ کو مسلسل وسعت دی جائے۔

۶:...... یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ معاشرہ میں مولوی کا مقام زوال پذیر ہے۔ اس کے کئی اسباب ہیں جو مستقل گفتگو کے متقاضی ہیں، تاہم ایک بڑا سبب ہمارے طبقہ میں دینی کاموں کی ترقی کی حرص میں معاشرہ سے ''طمع'' کا تعلق ہے۔ علم اور طمع کا باہم کوئی جوڑ نہیں اور اس جوڑ کو قائم کرنے کی کوشش ذلت وخواری پر منتج ہوتی ہے۔ مولوی کے اندر روزافزوں ''طمع'' کی نفسیات'' اس ذلت وخواری کا بڑا سبب ہے۔

دینی کاموں کا دائرہ اتنا ہی رکھنا چاہیے جس کے لیے اپنے منصب کے وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے وسائل مہیا کیے جاسکیں۔ بازاروں اور مسجدوں میں مدارس کی تعمیرات واخراجات کے لیے اعلانیہ ہاتھ پھیلانے والوں کے ذمے اس حد تک جانا ہرگز واجب نہیں ہوتا، لیکن وہ اس پر اپنے آپ کو آمادہ کرلیتے ہیں، جس کا نتیجہ ''منصب'' کی بے وقعتی کی صورت میں نکلتا ہے۔

۷:...... جدید فاضل کو اپنے مقام واحترام کے حصول کے لیے معاشرہ اور متعلقین سے توقعات رکھنا بھی زیب نہیں دیتا۔ یہ جذبات ''امتیازی شان'' کی نفسیات پیدا کرتے ہیں۔ اس نفسیات کے حامل ہمہ وقت اس خوف کا شکار رہتے ہیں کہ کہیں ان کی ''مقبولیت'' کم یا متاثر نہ ہو، ان کی کاوشوں کا محور اپنے اسی خول کی حفاظت رہتی ہے اور وہ کوئی کارنامہ انجام دینے کے قابل نہیں رہتے۔ ایسے لوگ اپنے اور معاشرہ کے درمیان خلیجوں کو جنم دیتے ہیں اور اپنے مخصوص ماحول اور طبقہ سے بالاتر ہوکر سوچنے کے

اہل نہیں رہتے۔

معاشرہ میں اکابر علماء کے احترام ومقام کی پشت پر طویل مجاہدات ہوتے ہیں۔ان کی حالیہ زندگی دیکھ کران کی نقالی شروع کردینا کم ظرفی کی علامت ہے۔معاشرے میں ایجابی کام وہی لوگ کرسکتے ہیں جومجاہدات کی بھٹی سے گزرکراورشدائد ومشکلات برداشت کرکے آگے بڑھے ہوں۔آج اداروں اورتحریکات میں بغیر کسی مجاہدہ اورکردار کے ''صاحبزادگان'' کی گدی نشینی سے جوہولناک نتائج سامنے آرہے ہیں وہ کسی فہمیدہ شخصیت پرمخفی نہ ہوں گے۔بغیر کسی تدریجی وارتقائی سفر کے لیڈراورمہتمم بننے والوں کومخدومیت ومقبولیت کامنصب ملتاہےتووہ اسی خول میں بندہوکررہ جاتے ہیں اس کاتحفظ اور بقاء ہی ان کامقصد وحید ہوتا ہے۔یوں رفتہ رفتہ ادارے اورتحریکات اپنامقام کھودیتے ہیں۔

جدید فاضل کواپنے مقام واحترام کی کوئی توقع معاشرے سے وابستہ نہیں کرنی چاہیے اورنہ اس نیت سے کام کرنا چاہیے۔خلوص وللٰہیت کے ساتھ جہد مسلسل کی خوڈالنی چاہیے۔ان شاء اللہ! محنت ومجاہدہ سے یہ سارے مراحل فطری طور سے طے ہوں گے اوردینی ودنیوی مقبولیت قدم چومے گی۔

۸:.....خواہشات زندگی کے طول اورمغربی تہذیب کے تسلط کے نتیجے میں معیار زندگی کی جبری بلندی نے ہمارے طبقہ میں بھی اسراف وتبذیراورعدم قناعت کارجحان پیداکردیاہے جس کے باعث ''معاش'' کامسئلہ پیداہورہاہے اس میں شک نہیں کہ ہمارے طبقہ کے مالی وسائل بہت محدودہوتے ہیں لیکن ضروریات کادائرہ دستیاب مالی وسائل کے اندررکھناہی قناعت ہے اورفاضل سے یہی مطلوب ہے۔ضروریات فقراء کی بھی پوری ہوجاتی ہیں اورخواہشات بادشاہوں کی بھی پوری نہیں ہوتیں۔ضرورت وخواہش کی تمیزکرکے اقتصادوقناعت سے کام لینا ناگزیر ہے ورنہ زندگی اجیرن ہوجاتی ہے۔

جدید فضلاء سے یہ چند بکھری باتیں اپنے نفس کوسامنے رکھ کرکی گئیں۔امید ہے یہ مذاکرہ خیرکاباعث بنے گا۔اللہ رب العزت ہم سب سے اپنے دین متین کی مقبول خدمت لے۔

☆ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کاسنِ ولادت ۸۰ ہجری اورسن وفات ۱۵۰ ہجری ہے☆